International Journal of Islamic Studies & Culture ISSN-2709-3905
http://ijisc.com.pk/index.php/IJISC/issue/view/192 PISSN2709-3891
(Volume.4, Issue.2 (2024)
(April-June)

Analytical Review of Mystical Allusions in Atish's ghazals

آتش کی غزلیات میں متصوفانہ تلمیحات کا تجزیاتی جائزہ

Muhammad Mohsin Khalid
PhD Urdu Scholar, Northern University, Nowshera, KPK
Dr. Munawar Hashmi
Rector, Northern University Nowshera, KPK

Abstract
This paper contains a detailed analysis of Khwaja Haider Ali Atish's Sufi thought and Sufi teachings. Through this paper, the propagation of Sufi teachings in Kalam-e-Atash has been evaluated in the context of the art of allusion, which aims to identify the distinction of Atish as a Sufi poet. The art of allusion is treated as an art in the classical ghazi in the poetic expression of all human emotions and situations, where the art of allusion is taken up by other classical poets. In Atish, this art justifies an excellent narrative for the poetic expression of Sufi teachings. This paper is an attempt to bring out the element of mystical thought in Atish in the best possible way.
Key Words: Classical Ghazal, allusion, Sufism, Sufi terms, Islam, Sufism, Saints, Spirituality

اُردو زبان نے جہاں انسانی جذبات واحساسات کے جملہ اظہار کے لیے خود کو بطور وسیلہ تخلیق کار کے سامنے پیش کیا، وہیں تخلیق کار نے اس وسیلے کو اتنی خوبصورت اور دلآویزی سے اپنے جذبات کی ترجمانی میں برتا کہ انسان تحریر سے گزرتا نہیں ہے بلکہ تحریر کے سوتے جہاں سے پھوٹتے ہیں ؛وہیں جا کر حسِ ادراک سجدہ ریز ہوتی ہے۔اُردو زبان کی جملہ اصناف میں تخلیق کاروں نے اپنے ہنر کے اظہار کے کرشمے دکھائے ہیں۔ صنفِ غزل کا معاملہ دیگر اصناف سے ذرا ہٹ کر ہمیں دکھائی دیتا ہے۔اُردو غزل میں ایک طرح کی طرح داری اور بانکپن موجود ہے جو اِسے منظر نامے پر تادیر جمے رہنے کی صلاحیت سے متصف کرتا ہے۔

کلاسیکی غزل میں یوں تو ہر قسم کی کیفیات وواردات کا بیان ملتا ہے۔تاہم اِس میں انسانی افکار و تموج کا ایک وسیع سلسلہ موجود ہے جو انسان کے اندر کی دُنیا سے ہمیں متعارف کرواتا ہے۔ولی دکنی سے لے کر مرزا خان داغ تک انسان کے باطن کے سفر کا سلسلہ کلاسیکی غزل میں برابر دکھائی دیتا ہے۔کلاسیکی غزل میں ایرانی ادبیات سے روحانیت اور راہ سلوک کی روایت اُردو میں متعارف ہوتی دکھائی دیتی ہے۔اُردو غزل کا جملہ خمیر عربی و فارسی اور مشرقی اقدار کے خام مال سے مرکب پایا ہے۔اس سلسلے میں صوفیا کی تعلیمات کو کسی صورت نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

کلاسیکی غزل کے دورِ اولیں کے نمائندہ شاعر قلی قطب شاہ کے ہاں بھی تصوف کی جھلک نظر آتی ہے۔ تصوف اور مبادیات تصوف کا پرچار ہر مذہب کی تعلیمات میں متوازی اندازِ زیست کی حیثیت سے موجود ہے۔ تصوف کی مبادیات اور جملہ تعلیمات کو شعرا نے اپنے اپنے اندار میں روایتاً اور ترجیحاً بیان کیا ہے۔اس معاملے میں شعرا کے ہاں کہیں اختصاص اور کہیں عمومی رجحان کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔ کلاسیکی غزل میں قلی قطب شاہ سے لے کر ولی دکنی تک سیکڑوں شعرا کے نام آتے ہیں جنھوں نے انسان کی داخلی اور باطنی کیفیات و واردات کا بیان غزل میں کیا ہے۔ولی کے بعد یہ سلسلہ ناسخ تک آتا ہے اور ناسخ سے آتش تک آتے آتے اس میں ایک انفرادیت اور دلآویزی پیدا ہو جاتی ہے جس میں روایت کی نسبت تجربے کا عنصر زیادہ دخیل دکھائی دیتا ہے۔ خواجہ حیدر علی آتش کی غزل کا سراپا تصوف کے مضامین کی بُنت کاری ہے۔آتش کے ہاں جوانی کے دور کے معاملات سطحی، روایتی اور عامیانہ ہیں جب کہ دورِ شباب کے گزر جانے کے بعد کی صورتحال یکسر مختلف ہے۔آتش کی غزل میں ان کی زندگی کے تجربات کا عکس بہت فراواں نظر آتا ہے۔آتش نے اپنے زمانے کی سیاسی و سماجی اور جغرافیائی صورتحال کو تنزل کی آخری حد تک پست ہوتے دیکھا

تھا۔ان کی زندگی عجب طور سے گزری تھی۔انھوں نے مال ومتاع اور خواہشِ دُنیا میں غرق ہو کر دیکھا اور پھر اس سے نجات حاصل کر کے بقیہ عمر ایک کٹیا میں درویش کی حیثیت سے گزار دی۔

آتش نے جوانی کے دور کو خوبصورت اثاثہ قرار دیا ہے۔ تلوریئے مشہور رہے، بانکپن، شوخی اور شرارت ان کے مزاج کا حصہ تھی۔ ہر طرح کی رنگینی اور طرح داری ان کی شخصیت کی شناخت تھی۔حالات تبدیل ہوئے تو اس قدر بدل گئے کہ قاری ان کا کلیات پڑھ کر حیران رہ جاتا ہے کہ یہ وہی آتش ہے کہ جو جوان تھا اور جوانی کے قصے بہ بانگِ دُہل کہتا تھا۔آتش کے ہاں تصوف کی بازگشت محض روایتی نہیں ہے بلکہ تجربے سے گزاری ہوئی اور ہڈ بیتی سے مشروط واردات کی حامل ہے۔ تصوف کی روایت اُردو شاعری میں صدیوں سے موجود ہے۔شعرا کے ہاں اس مضمون کو برابر استعمال کیا جاتا رہا ہے اور ہنوز یہ سلسلہ موجود ہے۔آتش کے ہاں خارجیت اور داخلیت کے جملہ عناصر کی کارفرمائی ملتی ہے تاہم ان کی شہرت کا واحد امتیاز ان کا متصوفانہ فہم وادرک ہے جس کی ان کی کلیات میں زرخیری اور شادابی جابجا دکھائی دیتی ہے۔

خواجہ حیدر علی آتش نے نام میں خواجہ کی نسبت بھی متصوفانہ طرزِ حیات کا نشان ہے۔حیدر علی سے ان کی نسبت خاندانِ مولا علیؑ سے جا ملتی ہے اور آتش تخلص سے ان کی وضع اور شخصیت کا پر تو محسوس کیا جاسکتا ہے۔آتش نے صوفیانہ معاملات اور صوفیانہ جہات کو جس انداز میں کھول کھول کر غزل میں بیان کیا ہے، یہ ان کی شخصیت، شاعری اور اعلیٰ حسِ ادراک کا بہترین عکاس ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا بیان کرتے ہیں:

> ’’ان کے اشعار میں نہ صرف قلندرانہ بے نیازی اور استغنا پائی جاتی ہے جو صوفیانہ مسلک کی طرف پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ان میں امارت، مرتبہ اور جاہ و حشمت کی نفی کا بھی رجحان موجود ہے جو لکھنو کی پُر تکلف اور نشاط آمیز فضا کے خلاف آتش کے ردعمل کا ایک مزاج ہے‘‘۔(۱)

تصوف کی سطح پر خواجہ میر درد کے بعد آتش کمال کے شاعر تھے۔ان کی عشقیہ شاعری میں جو درد، گداختگی، لطافت، پاکیزگی، مٹھاس اور رجائیت، تحمل اور مردانہ پن ہے وہ اسی صوفیانہ مزاج کی وجہ سے ہے۔ان کے کلام کا ایک تہائی حصہ تصوف کے مضامین سے آراستہ ہے، اس کلام میں مجازی و حقیقی دونوں طرح کا رنگ نظر آتا ہے۔

آتش نے تصوف کے ذریعے اپنی شاعری کو اصلاح کے طور پر استعمال کیا اور اسے آنے والے لوگوں اور دور کے لیے ایک خزانہ سے تعبیر کیا۔آتش کے تصوف کی وسعت کا اندازہ ان کے کلام میں موجود صوفیانہ ومابعد الطبیعاتی تلمیحات سے لگایا جاسکتا ہے، جس کا استعمال کلامِ آتش کی انفرادیت کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> ’’ان کے اشعار میں نہ صرف قلندرانہ بے نیازی اور استغنا پائی جاتی ہے جو صوفیانہ مسلک کی طرف پہلے قدم کی حیثیت رکھتا ہے بلکہ ان میں امارت، مرتبہ اور جاہ و حشمت کی نفی کا بھی رجحان موجود ہے جو لکھنو کی پُر تکلف اور نشاط آمیز فضا کے خلاف آتش کے ردعمل کا ایک مزاج ہے۔‘‘(۲)

آتش کے ہاں جہاں علم بیان و بدیع کے دیگر فنی اختصاص موجود ہیں وہاں فنِ تلمیح کا استعمال بھی ایک خاص انفرادیت لیے ہوئے ہے۔ آتش نے صوفیانہ اصطلاحات اور معاملات کے بیان کے لیے تلمیح کے فن کو منتخب کیا اور اس میں کمالات دکھائے ہیں۔آتش کی زبان دانی پر کسی کو شک نہیں ہے۔ لکھنو کا صحیح نمائندہ آتش کو قرار دیا جاتا ہے جبکہ ناسخ کے ہاں زبان کے معاملے میں وہ اُپج اور گہری رمزیت موجود نہیں ہے جس کا اظہار آتش کے ہاں جگہ جگہ نظر آتا ہے۔

آتش کی شاعری نے روحِ عصر کارشتہ آفاقیت سے جوڑ کر انھیں اس دور کا سب سے بڑا شاعر بنا دیا ہے۔ آتش کے ہاں صوفیانہ فکر کا عنصر اسلوبِ شعری میں مدغم ہو کر ایک اکائی گیا ہے۔ معنی و فکر کے تعلق سے جتنے موزوں الفاظ ہوں گے اتنا ہی شعر عمدہ اور پُر تاثیر ہو گا۔ الفاظ کا موزوں ترین استعمال آتش کی شاعری کا حسن ہے۔ ان کے شعر پڑھ کر مصور اس خیال کی تصویر بنا سکتا ہے جو شعر میں پیش کیا گیا ہے۔ آتش کی شاعری کا یہی مزاج ان کی صوفیانہ شاعری کا نمایاں وصف اور کا یگری ہے۔

یہ مقالہ آتش کی صوفیانہ فکر کو تلمیح کے پیرائے میں سمجھنے کا ایک موقع فراہم کرتا ہے۔ اس مقالے میں آتش کی صوفیانہ اپروچ کا تلمیحی تناظر میں تجزیاتی جائزہ لیا گیا ہے جس سے یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ آتش نے صوفیانہ تعلیمات کو محض رسمی کلام میں نہیں برتا بلکہ صوفی ازم کی تمام تر معنویات کو ان کی زندگی میں عملی طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ ذیل میں کلامِ آتش میں مستعمل صوفیانہ تلمیحات کا ایک مختصر تجزیہ پیش خدمت ہے۔

ابدال واوتار: ابدال واوتار متصوفانہ تلمیح ہے۔ ابدال اور اوتار راہ سلوک کے مراتب ہیں جہاں پہنچ کر ایک صوفی یا سالک حقیقی عرفان کے گیان سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ یہ درجے ولایت کے اعلیٰ درجے ہیں جن کے ذمے رب تعالیٰ کا روحانی نظام ہوتا ہے اور وہ احسن انداز میں ان مخفی اسراری روحانی معاملات کو انجام دیتے ہیں۔ آتش نے ابدال واوتار کی صلاحیت کو دل کی طاقت وتاثیر کے آگے ہیچ قرار دیا ہے۔ کہتے ہیں جو کام ابدال اور اوتار سے نہ ہو سکا اور دل کی شدتِ تاثیر نے کر دیا یعنی قُربِ یار کے حصول کی راہ دل کی صداقت نے ہموار کر دی۔

”ابدال سے ہوا نہ تو اوتار سے ہوا/اے جذبِ دل جو کچھ تری امداد سے ہوا[کلیات آتش، ر، الف، ص:121]“

استخارا: استخارا ایک خاص ترکیبی عمل ہے جس کے ذریعے پیش آمدہ حالات وواقعات میں رب تعالیٰ کو شریک کر کے اس کی مدد ومشورہ بطور اشارہ طلب کیا جاتا ہے۔ استخارا کا عمل روایات واحادیث سے ثابت ہے اور اس کے کرنے کو جائز قرار دیا گیا ہے البتہ اس کی کچھ مذموم صورتیں ہیں جن سے احتراز برتنے کی تلقین کی گئی ہے۔

> ”استخارا سنت ہے۔ اس کے درست ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ استخارا کرنے کے لیے وضو ہونا شرط ہے اس کے بعد دو رکعت نماز کی نیت کر کے دو رکعت نماز پڑھ کر قبلہ ہو کر اللہ تعالیٰ سے اپنے کام و حوائج کا نام لے کر دُعا مانگی جائے۔ عوام میں مشہور ہے کہ استخارا کے بعد خواب میں اشارا ہونا ضروری ہے۔ یہ بات درست نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ پر منحصر ہے کہ وہ اپنے بندے کی کس طرح اور کس انداز میں مدد فرماتا ہے“۔[۳]

آتش بہار کی آمد اور نئے رنگوں اور ملن کی رُت میں پیالہ منہ کو لگائے استخارا کی فکر سے ماورا ہو گئے ہیں۔ آتش کے ہاں فکری مباحث سے لے کر دینی امور کے جملہ مباحث کو تذکرہ پس پردہ شعر دکھائی دیتا ہے۔ آتش نے محبوبِ بے مروت کے وصال کی خواہش دل میں پال رکھی ہے اور حصولِ وصل کے لیے استخارے کا عمل بھی جانتے ہیں تاہم ان کے نزدیک بہار کے رنگ وموسم کا کیف آور منظر محبوب کی یاد سے غافل نہیں ہونے دیتا۔

”بہارِ گل میں پیالہ لگا لیا منہ سے/شراب پینے کو میں استخارا کیا کرتا[کلیات آتش، ر، الف، ص:151]“

اسمِ اعظم: اسم اعظم ایک خاص قسم کا علم ہے جس کے بارے میں رب تعالیٰ جانتا ہے۔ اسم اعظم سے متعلق بہت سے قصے اور کہانیاں مشہور ہیں جن میں کسی حد تک صداقت بھی موجود ہے تاہم یہ معاملہ ذاتِ باری تعالیٰ تک محدود ہے۔ مشہور ہے کہ سلیمانؑ کی انگوٹھی میں جو نقش کندہ تھا وہ

دراصل اسم اعظم تھا جس کی برکت سے سلیمانؑ کو جنوں، انسانوں اور دیگر مخلوقات پر دسترس واختیار حاصل تھا۔اسم اعظم کی برکت سے ہر ناممکن کام اور ہر دُعا قبول ہو جاتی ہے۔

"اسم اعظم کے بارے میں مختلف روایات بیان کی گئیں ہیں جن سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جو شخص اسم اعظم جانتا ہے اس کی دُعا کبھی رد نہیں ہوتی۔اسم اعظم کے ذریعہ دُنیا کی بہت سی چیزوں میں دخل وتصرف حاصل کر سکتا ہے اور عجیب وغریب کام انجام دے سکتا ہے۔اسم اعظم کلیتاً رب تعالیٰ کی دین اور منشائے ایزدی پر منحصر ہے"۔(۴)

آتش اسم اعظم کی فسانہ گری سے متاثر ہیں اور اسے ایک سحر کاری سے منسوب کوئی طلسم خیال کرتے ہیں۔آتش کا کہنا ہے کہ حسن لولی (لکھنو کے بزرگ) نے اسم اعظم کو بھلانے کی بہت بڑی خطا کی ہے کہ مجازی عشق کی حقیقت دراصل اسی اسم کے سیاق میں کہیں پنہاں تھی جواب کھل کر سامنے آگئی ہے۔آتش نے اسم اعظم کو قرآن میں پنہاں ہونے کی طرف اشارہ کیا ہے۔اسم اعظم کی کہانیوں اور نگ رنگ قصوں کو آتش کے ہاں تفنن طبع کے طور پر شاعرانہ آہنگ میں برتنے کا فنی اظہار کثرت سے ملتا ہے۔

- "بھلایا اسمِ اعظم کو فسونِ حسن لولی نے/فرشتوں کی حقیقت کھل گئی عشقِ مجازی سے [کلیاتِ آتش،یائے تحتانی:333]"

اقلیمِ فقر:اقلیمِ فقر اور دولتِ فقر سے مراد فقر کی دولت اور سلطنت ہے۔فقر سے مراد راہ سلوک کا وہ سفر ہے جو صوفیانہ طرزِ طریقِ عبادات کے ساتھ منسلک ہے۔ایک سالک یا صوفی یا درویش جب راہِ خدا میں حقیقی عرفان کے حصول کے لیے سفر کا آغاز کرتا ہے کہ تو اس کو سب سے پہلے فقر یعنی ماسوا رب تعالیٰ کے سب کچھ چھوڑنا پڑتا ہے اگر وہ اس راستے پر چلنا چاہتا ہے اور رب تعالیٰ کی وحدانیت اور رسالت کے اثبات کے بعد کسی اور طاقت اور دروازے کی طرف جھانکا اس کی راہ کو کھوٹا کر سکتا ہے۔آتش نے فقر کو اقلیم یعنی سلطنت بے بدل قرار دیا ہے۔

"دینِ اسلام میں فقر سے مراد وہ راہ یا طریق ہے جو بندے اور اللہ کے درمیان سے تمام حجابات کو ہٹا کر بندے کو اللہ کے دیدار اور وصال سے فیض یاب کرتا ہے۔فقر یعنی اللہ کا دیدار اور وصال حضور اکرمؐ کی اصل سنت اور کمال ہے جو آپؐ کو معراج کی رات عطا کیا گیا"۔(۵)

آتش صوفیانہ مزاج رکھتے تھے اور اواخر عمر میں باقاعدہ صوفی اور درویشی طرزِ حیات کو اختیار کیے رہے۔ان کے کلام میں صوفیانہ افکار کی بازگشت برابر محسوس کی جا سکتی ہے۔فقر وغنا کے معاملے میں آتش نے فریدالدین عطار کو خواجہ فرید گنج شکر قرار دیا ہے۔آتش نے اپنے دلِ خرسند کو فقر کی دولت سے مطمئن کر لیا ہے اور اس دولت پر ماسوا کو قربان کر دیا ہے۔

- "دولتِ فقر سے رکھتا ہے غنی/ہم کو آتش دلِ خرسند اپنا [کلیاتِ آتش،ر،الف،ص:149]"
- "فقر وغنا کی بو نہیں کس کے دماغ میں/عطار اپنے شہر کا ہر اک فرید ہے [کلیاتِ آتش،یائے تحتانی:415]"

اناالحق:اناالحق ایک متصوفانہ تلمیح ہے۔اناالحق سے مراد یعنی میں ہوں میں حق ہوں،رب ہوں۔یہ نعرہ مشہور صوفی بزرگ منصور حلاج نے رب تعالیٰ کے تصور میں غرق سرِ راہ کہیں کہ دیا تھا جس کی شکایت خلیفہ وقت کے دربار میں پہنچی اور آپ کو تائب ہونے کا موقع دیا گیا لیکن آپ اپنے نظریے پر مصر رہے یہاں تک کہ آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔

"اناالحق سے مراد یعنی میں ہوں میں حق ہوں،رب ہوں۔یہ نعرہ مشہور صوفی بزرگ منصور حلاج نے رب تعالیٰ کے تصور میں غرق سرِ راہ کہیں کہ دیا تھا جس کی شکایت خلیفہ وقت کے دربار میں پہنچی

اور آپ کو تائب ہونے کا موقع دیا گیا لیکن آپ اپنے نظریے پر مصر رہے یہاں تک کہ آپ کو پھانسی پر چڑھا دیا گیا۔(۶)

آتش منصور حلاج کی شخصیت سے متعلق باخوبی آگاہ ہیں اور حرفِ انا لحق سے بھی آشنا ہے کہتے ہیں کہ منصور نے انا لحق کہہ کر اپنی جان ناحق گنوائی اگر میں منصور کی جگہ ہوتا تو کبھی یہ جملہ نہ دہراتا خواہ کچھ بھی ہو جاتا اور میں ماومن کے نظریے کا قائل نہیں ہوں۔آتش نے منصور حلاج کے تصورِ طریقِ تصوف سے اختلاف کیا ہے اور اپنی ایک جداگانہ رائے دی ہے۔

”منصور بھی جو ہوں تو انا لحق کہیں نہ ہم / اپنے طریق میں نہیں یہ ماومن درست [کلیاتِ آتش، ر، ت، ص:183]“

اہلِ نظر: اہل نظر سے مراد وہ اصحاب فقر ہیں جن کی نگاہ میں لطافت کی انتہائی معراج متمکن ہوتی ہے اور دُنیا اور مافیہا کی اصلیت و حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اپنی بساط کی تحدید سے ماورا ہو کر رضائے الٰہی کے دریا میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔اہل نظر صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں ان کی نگاہ میں کسی کثافت کا شائبہ تک نہیں ہوتا اور یہ اپنے اندر روشن اور مقصدِ حیات کو جا لیے ہوتے ہیں۔

”اہل نظر سے مراد وہ اصحاب فقر ہیں جن کی نگاہ میں لطافت کی انتہائی معراج متمکن ہوتی ہے اور دُنیا اور مافیہا کی اصلیت و حقیقت سے خوب واقف ہوتے ہیں اور اپنی بساط کی تحدید سے ماورا ہو کر رضائے الٰہی کے دریا میں فنا ہو چکے ہوتے ہیں۔اہل نظر صاحبِ بصیرت ہوتے ہیں ان کی نگاہ میں کسی کثافت کا شائبہ تک نہیں ہوتا اور یہ اپنے اندر روشن اور مقصدِ حیات کو جا لیے ہوتے ہیں“۔(۷)

آتش کے ہاں اہل نظر کا ایک اونچا مقام ہے جس کی خواہش خود ان کے اشعار سے واضح ہے۔کہتے ہیں کہ اہل نظر کا تصرف آئینہ سکندر و جامِ جم سے زیادہ اوج پرواز رکھتا ہے۔آتش نے مزاجی انداز میں اہل نظر کے اَسرارِ الٰہیات کو منکشف کرنے کی خفیف کوشش کی ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ اہل نظر کی نگاہ میں رب تعالیٰ کے اَسرار و رموز کا جملہ احوال منکشف ہوتا ہے اور یہ اس احوال کو کسی عامی پر ظاہر نہیں کرتے۔

”انصاف کو ہیں دیدہ اہلِ نظر کھلے / پردہ اُٹھا کہ پردہ شمس و قمر کھلے [کلیاتِ آتش، یائے تحتانی:427]“

توکل: توکل متصوفانہ تلمیح ہے۔توکل کا تعلق اسلام کے علاوہ جملہ ادیان میں برابر ملتا ہے۔توکل سے مراد رب تعالیٰ کی ذات تک خود کو محدود رکھنا ہے اور جو کچھ میسر ہے اسی پر قناعت کرنا اور مزید کی طلب دل میں نہ رکھنا ہے۔توکل مردِ مومن کا افتخار ہے۔ایک سالک کے لیے توکل کی دولت سے متصف ہونا لازمی اور ناگزیر ہے۔راہ سلوک یعنی تصوف میں توکل ہی واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعے ضبطِ نفس کی منزل سے گزر کر نیابتِ الٰہی تک کا سفر کرنا ممکن ہے۔

”توکل دراصل علم، کیفیت اور عمل تین چیزوں کے مجموعے کا نام ہے۔جب بندہ اس بات کو جان لے کہ رازق اللہ کی ذات ہے اور وہ ہر چیز پر یکساں قدرت و اختیار رکھتی ہے۔اُس کا لطف و کرم اور مہربانی بے حساب ہے۔اس یقینِ محکم کے نتیجے پیدا ہونے والی کیفیت کی مجموعی کیفیت کا نام توکل ہے“۔(۸)

آتش کے ہاں صوفیانہ فکر سے لگا کھاتے سیکڑوں اشعار دیوان میں ملتے ہیں جس سے آتش کی صوفیانہ فکر کا پتہ چلتا ہے۔آتش نے توکل کو دینی و دُنیاوی زندگی کا حاصلِ کل قرار دیا ہے۔آتش نے توکل پر تکیہ کر کے زندگی کے شب و روز کو تسلیم و رضا کے اُصول پر ڈھالنے کی عملی کوشش کی ہے۔آتش نے توکل کے مقابلے میں دُنیاوی من و سلویٰ اور کل آسائشِ فراواں کو یکسر مسترد کر دیا ہے۔

ـ ”جس قدر نفرت ہے اس سے مجھ توکل پیشہ کو/اس قدر ہو گی نہ قاروں کو محبت زر کے ساتھ [کلیاتِ آتش،ہائے ہوز:329]“

ـ ”پہنچتی ہے مجھے ہر صبح بے کوشش مری روزی/توکل آدمی کے واسطے گویا موکل ہے[کلیاتِ آتش،یائے تحتانی:358]“

جبر وقدر: جبر وقدر متصوفانہ تلمیح ہے۔کلاسیکی غزل میں یہ تلمیح مستقل طور پر شعرا کے ہاں مستعمل ہے۔کلاسیکی غزل میں جبر و قدر کا موضوع مستقل حیثیت سے موجود ہے اور شعرا نے اس تصور کے بارے میں کھل کر لکھا ہے اور اپنی جداگانہ رائے کا شاعرانہ اظہار بھی کیا ہے۔جبر سے مراد انسان مجبور ہے اور رب تعالیٰ کی منشا کے آگے سرنگونی کیے ہوئے ہے جبکہ قدر سے مراد صاحبِ اختیار ہے اور رب تعالیٰ کی عطا کردہ سپیس میں افعال واعمال کی انجام دہی ممکن بناتا ہے۔جبر وقدر کے بارے میں شعرا نے اپنا اپنا نکتہ نظر پیش کیا۔

> ”تفسیر ابن کثیر میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ لوح محفوظ کو سفید موتی سے پیدا کیا گیا ہے۔اس کے صفحات سرخ یاقوت کے ہیں۔اس کا قلم اور نوشتہ یعنی لکھائی بھی نور ہے۔اس کی لمبائی سو سال کی مصافت یعنی آسمان وزمین کے فاصلے کے برابر ہے اور چوڑائی مشرق اور مغرب کے فاصلے کے برابر ہے۔یہ عرش کے دائیں طرف ہے۔“(۹)

آتش نے جبر وقدر کو ارضی محبوب کی منشائے اختیاری پر منحصر قرار دیا ہے۔آتش کہتے ہیں کہ محبوب کی خشنودی اور ازن کے بغیر میرا اختیار کچھ بھی نہیں بلکہ میں تو مجبورِ محض ہوں اور سارا امرِ اختیاری اُسی کو زیبا اُسی کو حاصل ہے۔

ـ ”کان کھولے رکھتے ہیں،سُن رکھا سے اے وصلِ یار/اختیار آگے ترا اب ہجر ہم کو جبر ہے[کلیاتِ آتش،یائے تحتانی:360]“

جسم مثالی: جسم مثالی تلمیح آتش نے تراشی ہے۔تصوف میں جسم مثالی سے مراد روح کو مراد لیا جاتا ہے۔صوفیانہ اعتقادات میں جسم ظاہری اور جسم مثالی میں زمین آسمان کا فرق ہوتا ہے۔صوفیا جسم ظاہری کارد کرتے ہیں اور جسم مثالی کی پرورش وپرداخت پر زور دیتے ہیں۔جسم مثالی کی لطافت اس کی قوتِ پرواز کو طے کرتی ہے۔جس درویش کا جسم مثالی جتنا کثافت سے پاک اور لطافت سے معمور ہو گا وہ حقیقی عرفان کے حصول میں اتنا ہی زیادہ کامیاب ہو گا۔آتش کا مزاج صوفیانہ ہے اور صوفی فکر کو ان کی عملی زندگی میں برتا دیکھا جا سکتا ہے۔آتش نے جسم خاکی کے مقابلے میں جسم مثالی کو ترجیح دی ہے اور یہ اعتراف کیا ہے جسم خاکی کے پس پردہ جسم مثالی کو پنہاں کر رکھا ہے اور یہ وہ قبا ہے جو اس زندگی کی معراج ہے اور اس معراج کا حاصلِ کل حقیقی عرفان کا حصول یعنی منشائے ایزدی کی خشنودی ہے۔

ـ ”جسمِ خاکی کے تلے جسمِ مثالی بھی ہے/اک قبا اور بھی ہم زیرِ قبا رکھتے ہیں[کلیاتِ آتش،ر،ن،ص:286]“

چودہ طبق: چودہ طبق سے مراد زمین وآسمان میں موجود ہر اُس اَسرار کا علم ہو جانا ہے جو طبقات کی صورت منقسم ہے۔چودہ طبق سے مراد سات زمین اور سات آسمان مراد لیے جاتے ہیں اور ان طبقات میں موجود پنہاں اَسرار سے واقفیت حاصل کرنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں ہے۔شعرا اس تلمیح کو تنبیہ اور تحقیر کے لیے تفننِ طبع کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔یہ محاوراتی تلمیح ہے جس سے شعرا نے دسیوں جداگانہ نکتے تراشے ہیں۔

> ”آسمانوں کے سات طبقات کو قرآنی الفاظ "سبع سموات طبقا"(اوپر تلے سات آسمان) سے سمجھا جا سکتا ہے۔قرآن میں جس طرح "سبع سموات"یعنی(سات آسمانوں)کا ذکر ہے،ایسے ہی سات سمندروں کا بیان بھی ہے۔یہ سات سمندر "بحر اخضر، بحرِ عمان، بحرِ قلزم، بحرِ روم، بحرِ اسود ، بحرِ ظُلمات اور بحرِ بربر"ہیں۔قدیم زمانے میں رویِٔ ارض سات ولایتوں یا ملکوں میں منقسم تھی۔ اس لیے دُنیا کو "ہفت اقلیم/ہفت کشور"کہا جاتا تھا“۔(۱۰)

آتش صوفیانہ مزاج رکھتے تھے۔ان کے ہاں ایشیا کی حقیقت کی کھوج کا عنصر واضح نظر آتا ہے۔ بادی النظر میں کسی چیز کی حقیقت کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کی گہرائی اور گیرائی میں جا کر اصل صورتحال کو دیکھ پرکھ کر کوئی رائے قائم کرتے ہیں۔ کہتے ہیں چودہ طبق کے حصول کے لیے قلب کی باطنی آنکھ کو کھولنا ضروری ہے۔ سر کی آنکھ سے دیدارِ یار کی ظاہری شبیہ تو دیکھی جا سکتی ہے لیکن اصل سراپا قلبی آنکھ کے وا ہونے سے مشروط ہے۔

؎ ”آنکھوں کو کھول کر تو دیدار کا ہے بھوکا/ چودہ طبق سے باہر نعمت نہیں ہے کوئی[کلیات آتش، یائے تحتانی:411]“

حال: حال متصوفانہ تلمیح ہے جس کا تعلق صوفیانہ درجات کے القا ہونے سے ہے۔ حال سے مراد ایک خاص قسم کی کیفیتِ لاشعوری ہے جس میں ایک صوفی کچھ دیر کے لیے دُنیا و مافیہا سے بے نیاز زمین و آسمان کے درمیان پنہاں اَسرار کو قلب کی آنکھ سے دیکھتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرتا ہے اور عالمِ سیر افلاک میں خود کو دیوانہ و مستانہ محسوس کرتا ہے آتش کا صوفیانہ مزاج ان کے دیوان میں ایک تہائی صوفیانہ رنگ میں لپٹے اشعار کی موجودگی سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔آتش نے اپنے کلام کی معنویت اور اثر گیری کو حال سے تشبیہ دی ہے۔ آتش کہتے ہیں ربِ ذات کے تصور و عشق میں طلبگاروں پر کیا کیا رنگ رنگ کی کیفیتیں وارد ہوتی ہیں کہ مست جوش میں صوفیوں کے شانہ بشانہ حال میں محوِ رقص ہوتے ہیں۔آتش نے خود کو "صاحبِ حال" قرار دیا ہے۔ یہ دعویٰ آتش کی شخصیت اور صوفیانہ افکار کے پیشِ نظر مبنی بر حقیقت معلوم ہوتا ہے۔

؎ ”مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال اس کو آ گیا/ مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنواں کیا[کلیات آتش، ر، الف، ص:114]“

خرقہ فقر: خرقہ فقر سے مراد ایک درویش کا وہ لباس ہے جو وہ راہِ سلوک کی منازل کی تکمیل کے لیے عملی طور پر اختیار کر لیتا ہے اور پھر دُنیا و مافیہا کی حرص و ہوس سے بے نیاز حقیقی عرفان کے حصول میں خود کو فنائے احدیت میں غرق کر دیتا ہے۔ خرقہ دراصل روحانی درجے کی تکمیل کے بعد مرشد مرید کو بطور انعام اعزاز کے طور پر دیتا ہے یہ کوئی عام چیز نہیں جس پر ہر کسی عامی کا اختیار ہو بلکہ اس کے حصول کے لیے بہت پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں پھر کہیں جا کر اس کے حصول کے راہ ہموار ہوتی ہے۔

> ”اصطلاح میں خرقہ ایک ظاہری علامت ہے، جس سے فقر اور درویشی کا اظہار ہوتا ہے۔ اکثر صوفیائے کرام نے اس قسم کا لباس پہننے سے گریز کیا ہے۔ان کے نزدیک خرقہ پوشی اگر رضائے الٰہی کے لیے ہے تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ خدا باطن کا حال بہتر جانتا ہے اور اگر یہ انسانوں کو دکھانے کے لیے ہے تو لایعنی اور بے سود ہے۔ اگر درویش کا موقف تلاشِ حق ہے تو اسے ظاہری خرقے کی ضرورت نہیں۔“(۱۲)

آتش صوفیانہ مزاج کے پیشِ نظر خرقے کی اہمیت سے بخوبی آگاہ ہے۔ کہتے ہیں کہ بوریائے فقر پر بیٹھنا اور تکیہ کیے رہنا اتنا آسان نہیں ہے اس کے لیے شیر کی چربی کی طرح نیستانِ چراغ میں اپنے جسم و نفس کو جلانا پڑتا ہے۔آتش نے خرقہ فقر کی حصولی کو مقامِ شکر سے منسوب کیا ہے۔

؎ ”مقامِ شُکر ہے دے آساں جو خرقہ فقر/ کفن پہن کے ہے اس گھر سے مہمان نکلا [کلیات آتش، ر، الف، ص:157]“

سالک: سالک متصوفانہ تلمیح ہے۔ سالک سے مراد راہِ سلوک کا مسافر ہے جو تصوف کے نظامِ فکر کے مطابق ایک خاص چلہ یعنی خلوت میں متعین وقت کے لیے بیٹھتا ہے اور حقیقی عرفان کے حصول کے لیے ضبطِ نفس ایسی کڑی شرط پر پورا اُترنے کے لیے کھانے پینے پہننے اوڑھنے ایسی قباحتوں سے خود کو مشقِ خاص کے ذریعے مبرا کر لیتا ہے۔آتش صوفیانہ مزاج میں رچے بسے متصوفانہ افکار کی وجہ سے خود بھی سلوک کی راہ کے رہرو تھے اور اپنے اشعار میں بھی اس منزل کی راہ کے کچھ اَسرار بیان کیے ہیں جن سے آتش کی صوفیانہ روایت کے تتبع اور ذاتی میلان کا پتہ چلتا ہے۔

"سالکِ راہ محبت کو پس و پیش نہیں / مصلحت بیں نہیں میں، عاقبت اندیش نہیں [کلیاتِ آتش، ر، ن، ص:293]"

صوفی: صوفی سے مراد صوف کا لباس پہننے والا درویش ہے۔ یہ متصوفانہ اصلاحی تلمیح ہے۔ تصوف میں صوف یعنی پشمینے کا لباس پہننے والے کو صوفی کہا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ اسلام کے متوازی دین کے طور پر پانچویں صدی میں رائج ہوا تھا۔ دمشق میں اس نے جڑ پکڑی اور تُرک سے ایران فارس برصغیر اور دیگر ممالک میں تیزی سے مقبول ہوا۔ صوفی رب تعالیٰ کے حقیقی عرفان کے گیان کے لیے شریعت محمدیؐ پر عمل کرتے ہوئے طریقت و حقیقت کی راہ پر گامزن معرفتِ الٰہی کے حصول کی جستجو میں لگا رہتا ہے اور ایک وقت آتا ہے کہ اس کا مجاہدہ مشاہدے میں بدل جاتا ہے اور رب تعالیٰ کی انوار و تجلیات کا ظہور اس پر ہوتا ہے اس کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور کشف و کرامات کی صفت سے متصف کر دیا جاتا ہے۔

"صوفی وہ ہے جو قلب کی صفائی کے ساتھ صوف پوش (سادہ لباس) ہو اور نفسانی خواہشات کو زہد کی سختی دیتا ہو اور شریعت مصطفیؐ کو لازم پکڑتا ہو اور دُنیا کو پسِ پشت ڈال دیتا ہو۔ صوفی شریعت و طریقت کی روشنی میں صحیح راہنمائی لیتا ہے کیونکہ علم و عمل کے بغیر شریعت و طریقت کی مسند پر بیٹھنے والا لوگوں کی صحیح رہنمائی نہیں کر سکتا"۔ (۱۳)

کلاسیکی غزل میں صوفی کو واعظ اور زاہد کے مقابلے میں متقی پرہیز گار اور قُربِ خدا کا داعی سمجھا جاتا ہے اور کہیں کہیں تفنن طبع کے طور پر اس کی تنقیص بھی کی جاتی ہے۔ آتش نے وجد کے ساتھ صوفی کو لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔ صوفی وجد کے عالم میں دُنیا و مافیہا کے ہا ہو اور علائم سے بیگانہ ہو جاتا ہے۔ آتش نے صوفیو کو جامِ شراب پینے کی دعوت دی ہے اور مصلیٰ و نماز کو تج کر دینے کا کہا ہے۔ آتش کے ہاں مذہبی اعتقادات کے بارے میں کہیں کہیں لااُبالی پن بھی نظر آتا ہے جو ان کی زندگی کے کرب کی طرف اشارا کرتی ہے۔

"مجھ صوفی کے جو نعرے سے حال اس کو آگیا / مطرب نے ٹکڑے سر سے مرے ارغنواں کیا [کلیاتِ آتش، ر، الف، ص:114]"

عارف: عارف متصوفانہ تلمیح ہے۔ تصوف میں عارف سے مراد راہ سلوک کا وہ مسافر جو حقیقی عرفان کے حصول کے لیے خود کو اطاعت الٰہی، اطاعتِ رسول اور ضبط کے اُصول پر ڈھالے ہوئے ہو اور نیابتِ الٰہی کے حصول کی جستجو میں دین کے جملہ احکامات کا سختی سے پیرو ہو۔ عارف رب تعالیٰ کی ذات کے ادراک میں مشاہدے کے زور پر اپنی تحقیق کی عمارت اُستوار کرتا ہے اور دھیرے دھیرے ذاتِ حقیقی کے گیان کی اصل ماہیت کا مشاہدہ کرنے کے لائق ہو جاتا ہے۔

"عارف سے مراد ایسا شخص ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات، صفات اور مخفی اسما و افعال کا جملہ قلبی مشاہدہ کروایا ہو۔ عارف اللہ کی محبت میں ثواب و گناہ سے ماورا مستغرق رہتا ہے۔ عارف جملہ جہانوں کے اَسرارِ علومِ خفی و جلی سے باخبر ہوتا ہے اور تعقل کو جلا ایسی کہ لاکھوں معنی ایک نکتے سے نکال سکتا ہے۔ عقلی معراج کا غوطہ خور ہوتا ہے اور ہر وقت اَسرار الٰہی کی انوار و تجلیات میں ڈوبا رہتا ہے"۔ (۱۴)

آتش نے عارف کے روایتی متصوفانہ موضوع ہی کا تتبع کیا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ کشورِ دِل میں خدا کا گھر عارفوں کا مسکن ہوتا ہے اور وہیں قیام کو ترجیح دیتے ہیں۔ آتش نے سینہ عارف کو محبوبِ بے مروت کے شفافِ گال سے تشبیہ دی ہے۔ آتش کے ہاں متصوفانہ افکار کو مزاجی انداز میں برتنے کا عنصر بھی ملتا ہے جو روایت سے ہٹ کر ان کا اپنا منفرد اُسلوب شعری ہے۔ عارف دل سے دل تک معاملات کی رسائی اور فہمِ ادراک کا قائل ہوتا ہے اس کے ہاں ظاہریت کوئی معنی نہیں رکھتی۔

۔ ''بسکہ کہ تھی اس سے عیاں سینہء عارف کی صفا/چہرہء یار کو میں نے دلِ روشن سمجھا[کلیاتِ آتش،ر،الف،ص:66]''

۔ ''پوچھا ہے عارفوں سے جو ہم نے مکانِ یار/آنکھوں کو بند کر کے ہے دل کا پتہ دیا [کلیاتِ آتش،ر،الف،ص:145]''

قطب: قطب ایک متصوفانہ درجہ ہے جس پر فائض سالک پر بہت سی ذمہ داریاں اور پابندیاں عائد ہوتی ہیں جن کی ادائی اور احتیاط ایک سالک کے لیے غوث کے درجے پر ترقی کے لیے انتہائی ناگزیر ہوتی ہے۔قطب،ابدال،اوتارد،اوتار، عمران،اخیار اور غوث وغیرہ سب متصوفانہ راہِ طریق کے درجے ہیں جن کا حصول یقیناً ایک مشکل کام ہے۔

> ''اقطاب "قطب" کی جمع ہے۔صوفیا کی اصطلاح میں قطب باطنی خلیفہ ہوتا ہے۔وہ اپنے زمانے کا سردار ہوتا ہے۔اسے قطب اس بنا پر کہتے ہیں کہ وہ تمام احوال و منازل سلوک طے کر چکا ہوتا ہے۔مخلوق کے تمام مقامات واحوال اس پر گردش کرتے ہیں۔قطب صوفیا کی اصطلاح میں کامل و اکمل انسان ہوتا ہے جسے مقام فردیت حاصل ہوتا ہے۔مخلوق کے احوال اس پر گردش کرتے ہیں''۔(۱۵)

آتش نے قطب کی ایمانی ثابت قدمی کو مذکور شعر میں بیان کیا ہے کہ دُنیا اِدھر سے اُدھر ہو جائے اور خواہ ہفت آسماں اور پورا نظامِ کائنات ہل کر رہ جائے؛قطب کے پاؤں میں ذرا سی لغزش نہیں ہوتی کہ وہ ان مراحل اور اندیشہ ہائے زیست سے بہت آگے نکل چکا ہوتا ہے اور وہ رب تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں جھانک کر ایک حد تک معاملاتِ کائنات کا مشاہدہ کر چکا ہوتا ہے اس لیے اس کے پائے استقلال میں لغزش نہیں آتی۔

۔ ''گردش میں رہتے ہیں تو رہیں ہفت آسماں/جنبش نہ ہو گی قطب کو اپنے مقام سے[کلیاتِ آتش،یائے تحتانی:450]''

قناعت: قناعت متصوفانہ تلمیح ہے جس کا ذکر تصوف کے سلاسل میں بطور خاص ملتا ہے۔قناعت ایک ایسا ہتھیار اور ذریعہ ہے جس کے بل بوتے پر ایک سالک کا سفر بہت آسان ہو جاتا ہے۔قناعت سے مراد جو پاس اور ضرورت کے مطابق ہے وہ بہتر ہے اور جو نہیں ہے اس کا اندیشہ اور حصول کا لالچ نہیں۔ایک فقیر،درویش،صوفی اور مردِ مومن کے لیے قناعت پسندی کو آدھا دین اور تین تہائی متصوفانہ طرزِ حیات کا منبع قرار دیا گیا ہے۔

> ''صوفیا کی اصطلاح میں قناعت یہ ہے کہ انسان کی قسمت یا تقدیر میں جو کچھ لکھا ہے اس پر مطلوب شخص کا نفس ہر حال میں راضی رہے اور شاکی نہ رہے۔اگر تنگدستی اور حوائج سے کم میسر ہے تو زائد کی خواہش نہ کرے کہ رغبتِ زیادہ انسان کو جاہِ حرص میں مبتلا کر دیتی ہے جہاں سے قناعت بخیلی اور رزالت کی شکل اختیار کر لیتی ہے''۔(۱۶)

آتش کا مزاج صوفیانہ تھا۔صوفی فکر سے آتش کی گہری وابستگی ان کے اشعار سے جھلکتی ہے۔کہتے ہیں کہ جسے رب تعالیٰ قناعت کی دولت سے نواز دیتا ہے اُس کے من میں دولتِ دُنیا کی تمنا کا خیال از خود جاتا رہتا ہے اور وہ دُنیاوی دولت و شہرت سے ایسے بے نیاز ہو جاتا ہے جیسے بچہ ماں کی گود میں آکر ماسوا سے ماورا ہو جاتا ہے۔

۔ ''جو قناعت کے مزے سے آشنا ہو جائے گا/زندگی سے دمِ مسیحا کا خفا ہو جائے گا[کلیاتِ آتش،ر،الف،ص:98]''

۔ ''تمنّا دولتِ دُنیا کی اے آتش! نہیں رہتی/قناعت سے غنی اللہ کر دیتا ہے مسکیں کو[کلیاتِ آتش،ر،و،ص:314]''

قلندر: قلندر ایک متصوفانہ تلمیح ہے۔ قلندر سے مراد ایک ایسا صوفی، درویش اور راہ سلوک کا مسافر ہے جس کے وہم وگمان اور رگ وپے میں قلب وروح کی گہرائی و گیرائی میں رب تعالی سے عشق و موانست کی عقیدت رچی بسی ہوتی ہے اور اس عقیدت و موانست میں قلندر اس مگن و مستغرق ہوتا ہے کہ دُنیاومافیہا کے شور و غوغا اور ہاہو سے بے نیاز حقیقی عرفان کے حصول اور مشاہدہ حق کی جستجو میں مستغرق رہتا ہے۔

> ''قلندر، وہ ہوتا ہے جو کائنات کو مسخر کیے ہوتا ہے، جو ہمہ وقت ایک فاتح سے بھی بڑھ کر ہوتا ہے۔
> قلندر کے لیے کائنات مثلِ غبارِ راہ ہے۔ اُس میں مزید کی خواہش جنم نہیں لیتی، وہ دولتِ دُنیا لُٹا دینا چاہتا ہے۔ قلندر اپنے آپ میں ایک واصل ہوتا ہے قلندر کے در پر سکندر سوالی ہوتا ہے۔''(۱۷)

آتش نے مزاجی رنگ میں بھی قلندری روش کو محبوب کے حُسنِ بے مثال کے آگے سر نگوں کی کیفیت کا عندیہ ظاہر کیا ہے اور چار ابرو کی صفائی سے دل کی طہارت کو مشروط کیا ہے۔

؎ ''اک قلندر کی پسند آئی مجھے کتنی یہ بات / چار ابرو کی صفا سے دل صفا ہوتا نہیں [کلیاتِ آتش، ر،ن، ص:265]''

کشف قبور: کشف قبور سے مراد صاحبِ قبر سے گفتگو کرنے کی صلاحیت ہونا ہے۔ کشف سے مراد 'کھولنے اور پردہ اُٹھانے کے" ہیں۔ کشف علم مادی کے پانچ حواس میں سے ایک حواسِ بصیرت ہے یعنی اس سے دل کی آنکھ کھل جاتی ہے اور انسان قلبی آنکھ سے صاحبِ قبر کو دیکھ سکتا ہے اور اس سے جملہ احوال ایک حد تک معلوم کر سکتا ہے۔ کشف کی بہت سی اقسام ہیں جن میں کچھ اختیاری اور کچھ ودیعتی ہیں۔ صاحبِ کشف عام طور پر چلہ ورود وذکار اور روح کی لطافت کے خصائص کے پیشِ نظر اس صفت سے متصف ہوتا ہے۔

> ''صوفیانہ اصطلاح میں کشف ایک میڈیم ہے جس کے ذریعے سالک، صوفی، فقیر اور درویش اپنے روحانی درجات و مناصب کے اعتبار سے مرشد کامل کی راہنمائی میں سیر کرتے ہیں اور ان کی نگاہوں سے اَسرارِ اُلوہیت کے پردے ہٹا دیئے جاتے ہیں اور یہ اللہ تعالی کے حقیقی عرفان کے جلوہ کا مشاہدہ کرتے ہیں''۔(۱۸)

آتش نے اپنے عہد کے علمائے سُو اور ابن الوقت صاحبِ قبور کی کارستانیوں پر شدید تنقید کرتے ہوئے انھیں تنبیہ کی ہے کہ عاشقوں کی قبر کو مت کُھدوا کہ ان کے احوال سے سوائے رب کے کوئی اور آگاہ نہیں ہو سکتا۔ یہ ستم اب تم کسی اور کی خشنودی کے لیے ان عاشقوں پر مت کرو کہ یہ تو خود اپنی موت کا از حود سامان و قصہ ہو گئے ہیں۔

؎ ''قبروں کو عاشقوں کی نہ کھدوا! ستم نہ کر / بے درد! یوں عمل نہیں کشفِ قبور کا [کلیاتِ آتش، ر،الف، ص:164]''

مجذوب: مجذوب متصوفانہ تلمیح ہے۔ مجذوب ایک خاص قسم کی کیفیت ہے جو فقیر، درویش، صوفی اور راہ سلوک کے مسافر پر جزوقتی طاری ہوتی ہے۔ اگر سالک مرشد کی راہنمائی لیتا رہے تو جلد اس کیفیت سے آگے بڑھ جاتا ہے اور نارمل ہو جاتا ہے اور اگر اسی کیفیت میں مشاہدۂِ حق کی طرف نکل جائے تو حواس کھو بیٹھتا ہے اور کھانے پینے، پہننے اوڑھنے سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔

> ''مجذوب کا کوئی سلسلہ نہیں ہوتا اور نہ ہی اس کے مریدین ہوتے ہیں۔ یہ اپنے باطنی اسرار و رموز میں محو و مست رہتا ہے۔ جو اللہ کی طرف سے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ ان کا ہر عمل، ہر حرکت اور ادا مصلحت سے بھرپور ہوتی ہے۔ ہر بات کے پیچھے کوئی تمثیل ہوتی ہے۔ بعض اوقات غیر متوقع بات کر دے گا؛ کسی کو گالی دے دے گا مگر ہر بات کسی مصلحت کی بناء پر ہوتی ہے۔''(۱۹)

آتش نے اپنی غزل کے اثر کو مجذوب کی بڑسے تشبیہ دی ہے۔آتش کا مزاج صوفیانہ ہے اور صوفیانہ افکار سے ان کی گہری شناسائی ان کی عملی زندگی میں فقر کی عمل داری سے معلوم ہوتی ہے۔آتش کہتے ہیں کہ میرے کلام میں تصوف کے نکات اور اسرار موجود ہیں جنھیں سمجھنے والا اپنے اپنے طور پر سمجھ لیتا ہے۔

۔ "سمجھ لیتے ہیں مطلب اپنے اپنے طور پر سامع/اثر رکھتی ہے آتش کی غزل مجذوب کی بڑ کا[کلیات آتش،ر،الف،ص:102]"

مردِ مومن: مردِ مومن تلمیح آتش نے وضع کی ہے۔ یہ تلمیح علامہ اقبال کی شاعری کا مرکزی نکتہ اور فلسفہ بن کر سامنے آئی ہے۔ مردِ مومن سے مراد اسلام کی تعلیمات پر پوری طرح عمل پیرا انسان ہے جس کی ذات و شخصیت میں کوئی عیبِ ظاہری موجود نہیں ہے وہ حقیقی عرفان کے حصول میں شریعت و طریقت اور حقیقت کے اُصول و ضوابط سے کماحقہ واقف و آگاہ ہے۔

آتش نے مردِ مومن کو جس انداز میں سراہا ہے اور اس کی عظمت و برتری کو اُجاگر کیا ہے وہ تلمیح کی وسعتِ معنی میں اضافہ کا سبب بھی ہے اور کلاسیکی غزل کی روایت کو مہمیز بھی کرنے کا فراواں عنصر بھی ہے۔

۔ "حق یہی مذہب ہے، باطل ہے جو ہے اس کے خلاف/مردِ مومن ہے وہی، لایا ہے جو ایمانِ عشق[کلیات آتش،ر،ق،ص:243]"

مرشد: مرشدِ کامل سے مراد راہ سلوک میں تصوف کی منازل میں ایک سالک کی راہنمائی اور تربیت کرنے والا راہنما، ہادی، پیر و مرشد مراد ہے جس نے فنافی الشیخ، فنافی الرسول اور فنافی اللہ کی منزل کو سر کیا ہو اور حقیقی عرفان کے گیان کے مراتبِ عالی پر متمکن ہو۔ مرشدِ کامل کے بغیر تصوف کی راہ کو پکڑنا اور اس پر استقامت سے چلتے رہنا بہت مشکل ہے۔

> "معرفت و حقیقت کے مدارج و مراتب کی تکمیل کے لیے مرشدِ کامل کا ہونا بہت ضروری ہے اور یہ سفر مرشدِ کامل کے بغیر مکمل تو دور شروع بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اگر طالب سچا ہے تو اس کے سچائی کی لگن مرشدِ کامل تک از خود لے جاتی ہے۔"۔(۲۰)

آتش کے ہاں مرشد اور مرشد کامل کے حوالے سے متعدد اشعار ملتے ہیں۔آتش کا مزاج چوں کہ صوفیانہ تھا اس لیے ان کے ہاں پیر و مرشد اور مرید اور سلوک و معرفت کے مضامین کا بیان کثرت سے ملتا ہے۔آتش نے مذکور شعر میں الف سے قد کی نسبت سے مزاجی رنگ کے پس پردہ مرشد کے رسائی درجات کا ذکر کیا ہے جس میں مرشد یعنی مرشد کامل کو فرقہ وارانہ امتیازات سے مبرا اور ماورا قرار دیا ہے۔

۔ "تیرے الف سے قد نے کیا ہے جسے فقیر/مرشد وہی ہے فرقہ آزاد سے ہوا[کلیات آتش،ر،الف،ص:121]"

مشاہدہ: مشاہدہ متصوفانہ اصطلاحی تلمیح ہے۔ مشاہدہ سے مراد رب تعالیٰ کے اسرار اور کارخانہ قدرت میں جھانک کر سر کی آنکھ سے دکھائی نہ دینے والے احوال کو قلبی آنکھ سے دیکھنا ہے۔ مشاہدہ کے ذریعے ایک سالک، درویش اور صوفی رب تعالیٰ کے روحانی نظام کی جلوہ گری اور انتظامی امور کی خفیہ کارروائی کو دیکھتا ہے تو حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ رب تعالیٰ کی کائنات اور نظام عالم کا انتظام کس قدر احسن انداز میں کارفرما ہے اور کیا کچھ ہے جو رب تعالیٰ نے خلق کر رکھا ہے۔ مشاہدہ کے ذریعے ایک سالک، صوفی اور درویش کا رب تعالیٰ پر ایمان بڑھتا ہے اور وسعتِ نظر و قلب و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔

> "سالک مشاہدے کے ذریعے مشہود کی شہود کاریوں کا نظارہ کرتا ہے۔ حیرتوں کے بحرِ بیکراں میں غرق و منہمک ہوتا ہے۔ مشاہدے کی فنایت سالک پر کشف کے الہامی راز آشکار کرتی ہے۔ یہ سارا سفر مشاہدے سے شروع کرتا ہے اور فنایت پر ختم ہوتا ہے۔"(۲۱)

آتش نے عشق کو پیر قرار دیا ہے اور عشق کے مشاہدے کی جلوہ گری کو ذوقِ جمال کے نظارے سے تشبیہ دی ہے۔ عشق کا مشاہدے سے گہرا انسلاک ہے۔ عشق کی پختگی اور ایقان کی استقامت سے عاشق کائنات کے اسرار و رموز کی آگاہی پاتا ہے اور وجودِ تخلیقِ کائنات کے حقیقی گیان تک اس کی دسترس سہل ہو جاتی ہے۔

۔ ”مرید کر کے مجھے پیر عشق نے اپنا/مشاہدے کو اک آئینہ جمال دیا[کلیاتِ آتش، ر، الف، ص:155]“

نفسِ امارہ: نفسِ امارہ سے مراد نفس کی وہ قسم ہے جو انسان کو بُرائی پر اُکساتی ہے اور معصیت میں مبتلا کرنے کی مہمیز دیتی ہے۔ نفسِ امارہ دراصل وہ شیطانی و سِفلی خواہشات ہیں جو انسان کے بُرائی، شکر، کفر اور نافرمانی و حکم عدولی پر اُکساتی ہے اور مسلمان کی راہ کو کھوٹا کرنے میں پیش پیش ہوتی ہیں۔ نفس کے اس مذموم مقاصد سے آگاہ ہونا اور راہِ طریقت پر چلتے ہوئے شریعت کی پیروی کرنا اس کے شر سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔

نفس امارہ کی سرکشی اور شیطانی طاقت و غلبہ سے انسان کا بچنا ممکن نہیں تاہم ضبطِ نفس کے تدارک کے لیے اطاعت الٰہی اور اطاعت رسول پر پوری طرح سے عمل داری اس کے شر سے نجات کا واحد ذریعہ ہے۔ آتش کی درویشانہ طبیعت میں نفسِ امارہ کے تدارک کا حل پیر و مرشد کی بیعت و خلوت میں سکونت پر منحصر ہے۔

۔ ”صفا ہوا نہ ریاضت سے نفسِ امارہ/کوئی نجاستِ سگ کا ازالہ کیا کرتا[کلیاتِ آتش، ر، الف، ص:64]“

۔ ”نفس امارہ سار کھتا ہے یہ سرکش دُشمن/آدمی کے لیے غافل نہیں رہنا بہتر[کلیاتِ آتش، ر، ر، ص:214]“

نعرہ "ھو: نعرہ ہُو؛ ایک صوفیانہ نعرہ ہے۔ ہُو سے مراد رب تعالیٰ کی وحدانیت کا اظہار ہے۔ رب تعالیٰ نے اپنے سوا کسی اور عبادت کو اپنے خلاف اعلانِ جنگ سے تعبیر کیا ہے۔ راہ سلوک کا مسافر سب سے پہلے اپنے ایمان کی پختگی اور رب تعالیٰ کی ایقانیت کو ثابت کرتا ہے۔ یہ ثابت قدمی کا عمل نعرہ ہُو کے مخصوص طریق سے مشروط ہے۔ آتش کہتے ہیں کہ ہر طرف مقامِ ہو کا عالم ہے کہ جدھر بھی نظر جاتی ہے رب تعالیٰ کا جلوہ ہی نظر آتا ہے اور ماسوا کچھ بھی دکھائی نہیں دیتا۔ آتش نے نعرہ ہو کو دلگی بنالیا ہے۔ انسان کے ذہن و تصور میں جس ذات کے متعلق خیال ہوتا ہے وہی اس کی عملی زندگی کے مجموعی رویئے سے منکشف ہوتا ہے۔

۔ ”آفت ہے کوئی ذکر فقیرانہ ہمارا/اک نعرہ ہو میں دو جہاں زیر و زبر ہے[کلیاتِ آتش، یائے تحتانی:416]“

وجد: وجد اور عالمِ وجد سے مراد تصوف میں ایک ایسی کیفیت ہے جس میں سالک اکثر مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ ایک طرح کی از خود رفتہ کیفیت ہے جس میں مشاہدہِ حق کے دوران انسان پر غیاب کے پردے اُٹھا جاتے ہیں اور نگاہیں عالمِ بالا میں وہ کچھ دیکھتی ہیں جس کا تصور بھی اس سے قبل نہ کیا گیا ہے۔

آتش متصوفانہ معاملات و افکار اور جملہ احوال سے بخوبی آگاہ ہیں اور اشعار کے پس پردہ ان اَسرارِ تصوف کو کھول کھول کر واضح کرتے ہیں۔ آتش کی شاعری کا مطمع نظر تصوف ہی ہے اس بنا پر انھیں صوفی شاعر کہنے میں کوئی باق نہیں ہے کہ جس انداز میں انھوں نے تصوف کے روایتی موضوع کا احاطہ کیا ہے اس سے قبل شعرا کے ہاں اتنی فراخ دلی سے یہ رجحان نظر نہیں آتا۔ آتش نے خود کو مقامِ وجد پر متمکن ٹھہرایا ہے اور صوفی کو اپنے مرتبے سے کم تر گردانا ہے اور یہ تاثر دیا ہے کہ صوفی حالتِ وجد کو ضبط کرنے کی تاب نہیں رکھتا کہ ہمارے مد مقابل آسکے۔

۔ ”آوازِ دوست آتی ہے پردے سے ساز کے/ظاہر ہے وجد صوفیِ عالی مقام سے[کلیاتِ آتش، یائے تحتانی:450]“

حاصلِ کلام: آتش کی غزلیات میں صوفیانہ تلمیحات کے تجزیاتی سے ثابت و ظاہر ہوا ہے کہ آتش کی غزلیات میں صوفیانہ تلمیحات کا ایک بحرِ ذخار موجود ہے۔ آتش نے صوفیانہ فکر کو کمال فنکاری سے تلمیح کے پیرائے میں بیان کیا ہے۔ تلمیح کا وجود اتنا معتبر اور کشادہ نہیں جتنا آتش کی

فکر کی اُپج کا دائرہ کار ہے۔آتش نے حسبِ ضرورت تلمیح کے سیاق کو وسعت بھی ہے اور کہیں تلمیح کے پر تو کو موضوع کی مناسبت سے نگاہوں سے او جھل بھی رکھا ہے۔آتش نے متصوفانہ موضوعات سے متصل جملہ عناصر کو شاعرانہ مصوری سے مقیش کیا ہے۔بلا شبہ میں یہ کہ سکتا ہوں کہ آتش کی غزلیات میں صوفیانہ افکار جابجاد کھائی دیتی ہے۔یہ ایک ایسا موضوع ہے جس پر مزید تحقیق و تجزیئے کی اشد ضرورت ہے۔

حوالاجات

وزیر آغا،ڈاکٹر،اُردو شاعری کا مزاج،(لاہور:القمر پبلشرز،۲۰۰۶)،ص:۴۵

محمد ذاکر،ہندوستانی غزل کے معمار:خواجہ حیدر علی آتش،(دہلی:ساہتیہ اکیڈمی،۱۹۸۹)،ص:۵۹

عبدالوی،استخارا کیا ہے؟کیسے کیا جائے؟روزنامہ،(لاہور:پاکستان،28جولائی،2017ء)

ولی حق،اسم اعظم سیکھنے کی اہلیت،روزنامہ،(لاہور:اُمت،28جولائی،2018ء)

میمونہ اسد سروری قادری،فقر کیا ہے؟ماہنامہ،(لاہور:سلطان الفقر،02دسمبر،2020ء)

ساجدہ قریشی،تلمیحات ِ انشا مع شخصیات،(نئی دہلی:اسلامک ونڈرس،2017)،ص:69

سید سرفرازے شاہ،ارژنگِ فقیر،(لاہور:جہانگیر بک ڈپو،2017)،ص:137

شاہدہ تبسم،خواجہ میر درد کے کلام میں صوفیانہ اصطلاحات،،مقالہ،ایم۔اے،(لاہور:جامعہ پنجاب،2008ء)،ص:215

اُردو دائرہ معارف اسلامیہ،2002ء

عبدالخالق بٹ،سات آسمانوں سے سات جنموں تک،روزنامہ،(لاہور:اُردو نیوز،پیر10مئی،2021ء)

محمد شاہد خان،علامہ اقبال کے اُردو کلام میں تلمیحات،مقالہ،ڈی فل،(الہٰ آبا:الہ آباد یونی ورسٹی،2015ء)،ص:126

ظہیر علی صدیقی،ڈاکٹر،تصوف اور تصوراتِ صوفیا،(لاہور:سیٹھی پبلشرز،2008ء)،ص:62

عبیداللہ فراحی،تصوف ایک تجزیہ،(علی گڑھ:ادارہ تحقیق و تصنیف،1987)،ص:15

علامہ طباطبائی،تفسیر میزان،جلد،سوم،مترجم،محمد حسین،(لاہور:شیعہ دارالسلام،2008)،ص:109

ابن محمد جی قریشی،قطب کی حقیقت،(کنوزِ زل ویب پیج،24،اکتوبر،2014ء)

مولانا عمران عطاری قادری، قناعت،ماہنامہ،(کراچی: فیضان مدینہ، جنوری،2019ء)

شمس الدین عظیمی،خواجہ،قلندر شعور،(کراچی:مکتبہ روحانی ڈائجسٹ،جولائی،2007)،ص:23

انیلا یٰسین سروری قادری، کشف،ماہنامہ(لاہور:سلطان العارفین،ستمبر،2018ء)

اختیار حسین کیفی،نیازی،مراز،شاعری میں صوفیانہ اصطلاحات،(کراچی:ویلکم بک پورٹ،لمیٹڈ،2009)،ص:56

انیلا یٰسین سروری قادری،مرشد کامل ،ماہنامہ،(لاہور:سلطان الفقر،لاہور،03دسمبر،2017ء)

سید سرفرازے شاہ،فقیر نگری،(لاہور:جہانگیر بک ڈپو،2014ء)،ص:115

Reference in Roman Script

Wazir Agha, Dr., urdu shaeri ka mizan, (Lahore: Al Qamar Publishers, 2006), p: 45

Muhammad Zakir, Hindustani ghazl k mimar: Khwaja Haider Ali Atesh, (Delhi: Sahitya Academy, 1989), p.59.

Abdul Vi, What is Istikhara? How to do it? Daily, (Lahore: Pakistan, July 28, 2017)

Wali Haq, ism e azam, daily, (Lahore: Ummat, July 28, 2018)

Maimunah Asad Sarwari Qadri, faqar kia hai? Monthly, (Lahore: Sultan al-Faqr, December 2, 2020

Sajida Qureshi,Talmihat e Insha ma shakseat(New Dehli,Islamic windres,2017)p.69

Syed Sarfraz A. Shah, Urzhang-i Faqir, (Lahore: Jahangir Book Depot, 2017), p. 137

Shahida Tabsum, khawaja mir dard k kalam ma sofina istlahat, Thesis, MA, (Lahore: Jamia Punjab, 2008), p. 215.
Urdu Circle of Islamic Studies, 2002
Abdul Khaliq Butt, saat asmano sy saat janno tak, daily, (Lahore: Urdu News, Monday, May 10, 2021)
Muhammad Shahid Khan, Allama Iqbal ka kalam ma telmihat, Dissertation, D.F.L., (Allah Aba: Allahabad University, 2015), p: 126
Zaheer Ali Siddiqui, Ph.D., tawof aur tasrowat e sofia, (Lahore: Sethi Publishers, 2008), p.62
Ubaidullah Farakhi, tasow aik tajzia, (Aligarh: Research and Authorship Institute, 1987), p: 15
Allama Tabatabai, Tafseer Meezan, Volume III, Translated by Muhammad Hussain, (Lahore: Shia Dar al-Salam, 2008), p. 109.
Ibn Muhammad Ji Qureshi, quteb ki haqeeat, (Kanuz-e-Zal Web Patch, October 24, 2014)
Maulana Imran Attari Qadri, qanaat, Monthly, (Karachi: Faizan Medina, January, 2019)
Shamsuddin Azimi, Khwaja, Qalandar Shoor, (Karachi: Maktaba Rouhani Digest, July, 2007), p: 23
Anila Yasin Sarwari Qadri, Kashf, Monthly (Lahore: Sultan-ul-Arifin, September, 2018)
Akhtar Hussain Kafi, Niazi, shairi ma sofiana telmihat, (Karachi: Wellcome Bookport, Ltd., 2009), p.56.
Anila Yasin Sarwari Qadri, Murshid Kamil, Mahanama, (Lahore: Sultan Al-Faqr, Lahore, December 3, 2017)
Syed Sarfraz A. Shah, Fakir Nagri, (Lahore: Jahangir Book Depot, 2014), p: 115